Global Journal of Management, Social Sciences and Humanities 256
Vol 4 (2) April-June, 2018 pp.256-270-.
ISSN 2520-7113 (Print), ISSN 2520-7121 (Online)
www.gjmsweb.com. Email:editor@gjmsweb.com
Impact Factor value = 4.739 (SJIF). 256

A COMPARATIVE STUDY OF PRE-ISLAMIC CUSTOMS AND CURRENT SCENARIO OF RELIGIOUS PRACTICES

جاہلیت کی عبادات کا عصر حاضر کے تناظر میں تقابلی جائزہ

نمرہ رحمٰن[1] , حافظ ڈاکٹر فدا حسین [2]

ABSTRACT- *The objective of this research paper is to examine the current situation of religious customs/practices in Muslim society vis-a-vis pre- Islamic practices of idolatry and polytheism. Before Islam, Arabs were indulged in all types of polytheism and had belief in different Gods. This act was declared shirk by Islam and prohibited the Muslim to have faith in self-made Gods. Islam renounced all types of shirk. The Muslim were directed to have faith only in one God (Allah). Unfortunately, now days, Muslims are again indulging in the same practices of bowing before artificially made Gods and seeking their help for solving their problems rather than believing in the concept of Tauheed (one God). They used to visit different shrines and offer prayers there for attaining their worldly desires. They conceive the saints just like gods and seek their help in every matter, which is prohibited by Islam. Such practices must be discouraged.*

Key words: *Polytheism, idolatry, Shirk, faith in one God, monotheism*

Type of study: ***Original Research paper***
Paper received: 10.01.2018
Paper accepted: 20.02.2018
Online published: 01.04.2018

---

1. M. Phil Scholar, Department of Islamic Studies, Institute of Southern Punjab, Multan. numra.rehman@yahoo.com.
2. Deputy Secretary Finance, Board of Intermediate and secondary Education, Multan. doctorfidahussain@gmail.com. Cell # +0923004841718 .

ظہور اسلام سے قبل ہر طرف جہالت وضلالت کی حکمرانی تھی، سرکشی و بغاوت کاسکہ رواں تھا، معاشرہ تباہی کے دہانے پر کھڑا تھا، خانہ کعبہ بتوں سے آباد تھا۔ دین ابراہیمی کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا۔ شرک کی سیاہ چادر نے ذہن انسانی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ طلوع اسلام سے قبل عرب مختلف مذاہب اور خود ساختہ اقدار کو سینے سے لگائے ہو ئے تھے۔ کہیں بت پرستی ہو رہی تھی اور کہیں آتش پرستی سے سکون قلب کا سامان مہیا کیا جا رہا تھا۔ کہیں سورج کی پرستش ہو رہی تھی اور کہیں انسان جسے اشرف المخلوقات بنایا گیا تھا ستاروں کے آگے سر بسجود تھا، خانہ کعبہ اصنام کا مرکز تھا، جہاں تین سو ساٹھ بت رکھے گئے تھے ہر قبیلے کا الگ بت تھا۔ ہبل، لات، منات، عزی، نائلہ، یعوق اور نسر زیادہ مشہور بت تھے جن کے آگے سجدہ کیا جاتا اور دعائیں مانگی جاتی تھیں انہیں اپنا ملجا ومأوی سمجھا جاتا تھا، پتھر کے ان بے جان ٹکڑوں کو اپنا حاجت روا ٹھہرایا جاتا بت پرستی نے توہم پرستی کو جنم دیا فطرت کی ہر ایک چیز، پتھر، درخت، چاند، سورج ، پہاڑ، دریا وغیرہ کو فوراً اپنا معبود بنا لیتے تھے۔ مشرکانہ جاہلیت میں آدمی بتوں کو صاحب اختیار اور نفع و نقصان کا مالک سمجھ لیا تھا ۔ موجودہ دور میں لوگ اپنے راجوں مہار اجوں ، بادشاہوں اور حکمرانوں کو اپنا مشکل کشا سمجھتے ہیں ان کے خیال کے مطابق تمام مسائل انہی ریاست کے حکمرانوں نے ہی حل کرنے ہیں۔چاہے حقیقت میں وہ ان کے لیے مسائل کے انبار کھڑے کر رہے ہوں۔اب یہی وہ بنیادی وجہ ہے کہ مختلف مذاہب کے لوگ تو شرک کی مختلف شکلیں اپنا ہی رہے، خود مسلمان بھی انہی عقائد کا شکار ہو رہےہیں۔ توحید اسلام کی روح ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنی عبودیت اور توحید کی ترویج کے لیے ہی تو اس کائنات کو پیدا کیا ہے۔ توحید وہ واحد پہلو ہے جس کی بنا پر اللہ رب العزت ہمارے اعمال قبول کرتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے عصر حاضر میں مسلمان اس حقیقت کو بھولتے جا رہے ہیں اور شرک کی مختلف شکلیں اپنا رہے ہیں۔ توحید کی اقسام میں سے ایک قسم توحید ربوبیت ہے۔ نبی ﷺ کے دور کے تمام لوگ توحید کی اس قسم کو مانتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ لوگ مشرک قرار پائے۔ کیونکہ وہ بتوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ ان کے عقیدے کے مطابق بت اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہیں۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تمام اشیاء جنہیں وہ اللہ کا سفارشی کہتے تھے ان اشیاء کی کیا حقیقت تھی؟ کیا وہ بت پتھر کے تھے؟ کیا مشرکین مکہ پتھروں کی عبادت کیا کرتے تھے؟ جی ہاں بہت حد تک ایسا ہی تھا لیکن یہ پتھر کیا خیالی پتھر تھے؟ یا پھر ان کے پیچھے بھی کوئی خیال کارفرما تھا؟ اس بارے میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ (1)

'' واقعی تم اللہ کو چھوڑ کر جس کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں''۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ (2)

''اور جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں وہ (معبودین) مردے (بےجان) ہیں زندہ نہیں اور ان کو خبر نہیں کہ مردے کب اٹھائے جائیں گے''۔

ان آیات میں یہ الفاظ (اَمْوَاتٌ)وہ مردہ ہیں(غَیْرُ اَحْیَاءٍ)زندہ نہیں ہیں،(وَمَا یَشْعُرُوْنَ)اور نہیں جانتے(اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ)کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا'' آئے ہیں، ان الفاظ کا سیاق یہ واضح کر رہا ہے کہ مشرکین مکہ اللہ رب العزت کی عبادات میں مردوں کو بھی شریک کیا کرتے تھے، گویا سیدھا سیدھا اشارہ قبر پرستی کی طرف جا رہا ہے۔ اللہ نے ان کی حقیقت کو بتانے کے لیے یہ آیت نازل کی ہے: ((وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِھَتَکُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا)) اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول مروی ہے،وہ کہتے ہیں،یہ پانچوں کے پانچ قوم نوح کے صالحین بزرگ تھے،جب یہ مرگئے تو شیطان ان بزرگوں کے چانے والوں کے پاس آیا،شیطان نے ان بزرگوں کے چاہنے والوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ جہاں یہ بزرگ بیٹھتے تھے وہاں یاد دہانی کے طور پر ان بزرگوں کے بتوں کو بنا کر نصب کردو،چاہنے والوں نے صالحین کے بتوں کو بنا کر وہاں نصب کر دیا،وہ نسل ان صالحین کے بتوں کی عبادت نہیں کرتی تھی،فقط یاد دہانی کے طور پر،محبت کے طور پر،عقیدت کے طور پر ان صالحین کے بتوں کے پاس بیٹھتے تھے،لیکن جو نسل بعد میں آئی انہوں نے ان صالحین کے بتوں کی عبادت شروع کردی۔ لہٰذا یہاں یہ بات تو واضح ہو گئی کہ اقوام سابقہ نے جو بت بنائے تھے وہ پتھر کے بت نہیں تھےبلکہ صالحین کے تصور میں انہوں نے بت بنائے تھے۔ اب یہاں تک گفتگو مشرکین مکہ کے حوالے سے کی گئی ہے لیکن تمام تر گفتگو کا مقصد یہ باور کرانا ہے کہ عصر حاضر میں مسلمانوں کا رویہ اسی سے ملتا جلتا ہے۔ اب مسلمانوں میں قبر پرستی عام ہو رہی ہے ۔ خاص طور پاکستان جیسے خطے میں کئی مزارات قائم ہیں جہاں لوگ جاتے ہیں اور ان بزرگوں کے توسط سے اللہ رب العزت سے مانگتے ہیں۔یہ ایک بڑی تلخ حقیقت ہے کہ یہاں مسلمانوں کا یہ عمل مشرکین مکہ کے عمل سے مشابہ ہے وہ بھی اللہ سے مانگتے تھے لیکن بتوں (وہ بت جو صالحین کے تصور میں قائم کیے گئے تھے)

---

[1] - الاعراف: 194

[2] - النحل: 22-21

کو اللہ کا سفارشی بنا کر مانگا کرتے تھے۔ اب یہاں مسلمان بھی ان اولیاء کرامؒ کو اللہ کا سفارشی بنا کر اللہ سے مانگتے ہیں یہ تصور رکھتے ہوئے کہ صرف یہی ہستیاں ہیں جو انہیں اللہ سے لے کر دے سکتی ہیں۔ گویا انہوں نے اولیاء کرام کو اللہ کا سفارشی قرار دے دیا۔ جبکہ نبی ﷺ نے اپنی وفات سے پانچ دن پہلے اس بات سے باقاعدہ منع کیا تھا کہ انبیاء کرامؑ کی قبروں کو مساجد مت بنا لینا۔ اب جبکہ رسول اللہ ﷺ نے انبیاء کرام کی قبور پر عبادت سے منع کیا ہے تو پھر اس بات کو اولیاء کرام کی قبور پر بھی قیاس کیا جا سکتاہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ (3)

’’اے میری امت کے لوگو خبر دار ہو جاؤ تم سے جولوگ پہلے گزرے ہیں لوگ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا دیتے تھے،خبر دار تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا،میں تمہیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں‘‘۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ عصر حاضر کے مسلمان نہ صرف اولیاء کرام کے مقبروں پر جاتے ہیں بلکہ وہاں جا کر سجدہ بھی کرتے ہیں۔ جبکہ اس حدیث کے الفاظ: ’’خبردار تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنا دینا‘‘۔ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ کس قدر قبیح کام ہے جو آج کل مسلمانوں نے پکڑا ہوا ہےحضرت عائشہؓ سے روایت کردہ حدیث میں ہے:

لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَتْ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِأَرْضِ الحَبَشَةِ يُقَالُ لَهَا: مَارِيَةُ، وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ، وَأُمّ حَبِيبَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَتَتَا أَرْضَ الحَبَشَةِ، فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَتَصَاوِيرَ فِيهَا، فَرَفَعَ رَأْسَهُ، فَقَالَ: «أُولَئِكِ إِذَا مَاتَ مِنْهُمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، ثُمَّ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّورَةَ أُولَئِكِ شِرَارُ الخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ» (4)

’’جب نبی ﷺ بیمار ہوئے تو آپ کی بعض بیویوں نے ایک گرجے کا تذکرہ کیا جسے انہوں نے حبشہ کی سرزمین میں دیکھا تھا اور اسے ماریہ کہا جاتا تھا ۔ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ حبشہ گئی تھیں۔ انہوں نے گرجے کی خوبصورتی اور اس میں رکھی ہوئی تصاویر کا بھی ذکر کیا تو آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: ’’یہ وہ لوگ ہیں جب ان میں کوئی شخص مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے ، پھر اس میں یہ تصاویر بنا کر لگا دیتے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ لوگ تمام مخلوق سے بدترین ہیں‘‘۔

---

[3] ۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب النھی عن بناء المساجد...، 1/377، رقم الحدیث: 532

[4] ۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب بناء المسجد علی القبر، 2/108، رقم الحدیث: 1341

سوچنے کی بات یہ ہے نبی ﷺ نے کس قدر سخت الفاظ ارشاد فرمائے کہ جو لوگ بزرگوں کی تصاویر لٹکالیتے ہیں،اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں،اس قسم کے لوگ اللہ رب العزت بدترین گندی مخلوق ہیں ۔ اس بات کو اگر ہم اپنے سامنے رکھیں تو مسلمانوں کا ایک گروہ ایسی غلیظ غلطی میں مبتلا ہیں، وہ اپنے پیروں، فقیروں کی تصاویر گھر میں لٹکا کر رکھتے ہیں اور ان تصاویر کو بہت عقیدت و احترام کے ساتھ رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ کچھ لوگوں کا عمل اس سے بھی بڑھ کر نظر آتا ہے کہ لوگ ان تصاویر کو سجدہ تک کرتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک)۔ یہاں تک کہ تصویر کی حرمت کے اعتبار سے نبی ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَدْخُلُ المَلاَئِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ، وَلاَ صُورَةُ تَمَاثِيلَ» (5)

''فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو اور اس میں بھی نہیں جاتے جس میں تصویر ہو''۔

نبی ﷺ نے مقابر پر عبادت سے بھی منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ قبر کو سجدہ گا ہ تو کیا بنانا، قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے،کیونکہ اس میں ابہام شرک پایا جاتا ہے۔اب یہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ جہاں قبر کی تعظیم منع ہے وہاں اس کا استخفاف بھی منع ہے ، جہاں اس کا سجدہ طواف حرام ہے وہاں اس قبروں پر قدم رکھنا ، بیٹھنا بھی منع ہے۔اسی طرح اسلام کے ابتدائی دور میں نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو قبروں کی زیارت سے منع فرمایا کیونکہ قبر پرستی ہی سب سے پہلے شرک کی ابتداء بنی۔ لیکن جب دین اسلام صحابہ کرامؓ کے اندر صحیح طور راسخ ہو گیا تب اسلامی پہلو سے تربیت کرتے ہوئے انہیں اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ قبرستان جا سکتے ہیں ۔ لیکن ایسا کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمان جب بھی قبرستان جائیں تو آخرت کی یاد دہانی کے لیے جائیں۔لیکن بدقسمتی سے آج کل کے مسلمان اولیاء کرامؒ کے مزارات پر جاتے ہیں، اور اس بات کی نفی نہیں کی جا سکتی کہ آج دین اسلام کی بہت زیادہ رسوائی اور توہین ان آستانوں پر ،درگاہوں پر،مزاروں پر ہو رہی ہے، بزرگوں کی قبروں پر قبے تعمیر کرنا،انہیں خوبصورت بنانا،ان پر چراغ جلانا،پھول چڑھانا ،انہیں غسل دینا،ان پر مجاوری کرنا،ان پر نظر و نیاز چڑھانا،وہاں کھانا اور شربت تقسیم کرنا،جانور ذبح کرنا،وہاں رکوع اور سجود کرنا،ہاتھ باندھ کر باادب کھڑے ہونا،ان سے مرادیں مانگنا،ان کے نام کی چوٹی رکھنا،ان کے نام کے دھاگے باندھنا،ان کے نام کی دھائی دینا،تکلیف اور مصیبت میں انہیں پکارنا،مزاروں کا طواف کرنا،طواف کے بعد قربانی کرنا اور سرکے بال منڈوانا،مزاروں کی دیواروں کو

[5] ۔ صحیح بخاری، کتاب بدءالخلق، باب إذا قال أحدكم آمين، 463/3، رقم الحدیث: 3225

بوسہ دینا،وہاں سے خاک لا کر کھانا،ننگے قدم مزار تک پیدل چل کر جانا اور الٹے پاؤں واپس پلٹنا، یہ سارے وہ شرکیہ امور ہیں جو ہر خاص و عام مزار پر رواج پا چکے ہیں۔ لیکن دوسری طرف ایسے مزارات بھی ہیں جو خاص اولیاء کرام ؒسے منسوب ہیں، ان کے کچھ خاص مناقب ہیں مثلاً جنتی دروازے تعمیر کیے گئے ہیں، ایسے مقابر بھی ہیں جہاں مناسک حج ادا کیے جاتے ہیں،مزار کا طواف کرنے کے بعد قربانی کی جاتی ہے،بال کٹوائے جاتے ہیں،اور مصنوعی آب زم زم بھی پیش کیا جاتا ہے، پاکستان کے شہر گجرات کے اندر ایک درگاہ شدولاولی کے نام مسلمان معصوم بچوں کوچڑھا وا چڑھاتے ہیں،اس بارے میں مسلمانوں کا یہ بہت زیادہ غلط عقیدہ ہے کہ جو بچہ شدوولی کی درگاہ پر چڑھاوا چڑھا دیا جائے وہ بچہ چوہے کی شکل کا پیدا ہوتا ہے حالانکہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں یہ ارشاد فرمایا:

هوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ (6)

''کہ وہ ایسی ذات (پاک) ہے کہ تمہاری صورت (شکل) بناتا ہے ارحام میں جس طرح چاہتا ہے''۔

لیکن مسلمان یہ عقیدہ بد رکھتے ہیں کہ جو شخص بھی پیدا ہوتا ہے وہ ان بابا جی کی مرضی سے پیدا ہوتا ہے۔ الغرض جب قبر کے حوالے سے نبی ﷺ کا یہ عمل رہا ہو تو پھر شریعت میں سجدہ کرنے کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے۔ جبکہ نماز جنازہ میں سجدہ کرنے کی اجازت نہیں۔ حالانکہ سجدہ ہی تو نماز کی اصل ہے (شیطان نے سجدہ ہی تو کرنے سے انکار کیا تھا) سجدہ کے بغیر کوئی نماز پوری نہیں ہوتی، لیکن نماز جنازہ میں ایسا نہیں ہے کیونکہ میت سامنے پڑی ہے لہذا یہاں اللہ کی شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ انسان اپنی پیشانی غیراللہ کے سامنے جھکائے۔ شرک کی زیادہ تر صورت شرک فی العبادت میں ظاہر ہوتی ہے مثلاً سجدہ و رکوع، نحر و قربانی وغیرہ ۔ شرک کی ایک اور قبیح صورت جو آج کل مسلمانوں میں رواج پا رہی ہے وہ ہے: غیر اللہ کے نام پہ نذر ونیاز کرنا۔ یہی وہ عمل تھا جو مشرکین مکہ بھی کرتے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے آج کل مسلمان بھی اس لعنت کا شکار ہیں وہ لوگ مزارات پر جاتے ہیں اور وہاں جا کر صاحب قبر کے نام پہ نذر ونیاز کرتے ہیں، قربانیاں کرتے ہیں، گیارہویں دیتے ہیں ، جبکہ اللہ کےرسول ﷺنے ارشاد فرمایا: لَعَنَ اللَّهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ " اللہ ایسے شخص پر لعنت کرے جو اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کے لیے ذبح کرے''۔

ایک اور روایت میں ہے:حضرت ہذلی ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ! ہم کفر کے زمانہ میں رجب کے مہینے میں بتوں کے نام کی قربانی کیا کرتے تھے، آپ اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا:

اذْبَحُوا لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي أَيِّ شَهْرٍ مَا كَانَ، وَبَرُّوا اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ وَأَطْعِمُوا (7)

---

[6] ۔ آل عمران: 6

[7] ۔ النسائی: کتاب الفرع والعتیرۃ، باب تفسیر العتیرۃ، 7،169، رقم الحدیث: 4228

’’ ایک اللہ کے ہی ذبح کرو خواہ کسی مہینہ میں کرو اور جو بھی نیکی کرو اللہ عزوجل ہی کے لیے کرو اور اسی کی رضا کے لیے کھایا کرو‘‘۔

لہذا یہ حدیث اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ نذر و نیاز اور ذبح کرنا صرف اللہ کا حق ہے۔ بلکہ صرف انہی عبادات پر نہیں بلکہ ہر عبادت پر ہی صرف اللہ کا حق ہے۔

اللہ رب العزت کا قول ہے:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (8)

’’آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا‘‘۔

بدفالی اور صفر کے مہینے کے بارے میں حد درجہ غلط عقائد رکھنا بھی آج کل کے مسلمانوں کا وطیرہ بنتا جا رہاہے۔ صفر قمری کیلنڈر کا دوسرا مہینہ ہے جس کے متعلق لوگوں میں بہت سی غلط فہمیاں، توہمات اور بدشگونیاں پائی جاتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ جب اس دنیا میں تشریف لائے تو دنیا، جہالت اور گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی اور کئی طرح کے توہمات و شیطانی وساوس میں مبتلا تھی۔ زمانہ جاہلیت کے باطل خیالات اور رسومات میں سے ”صفر‘‘ بھی ہے۔ صفر کے متعلق ان لوگوں کا گمان تھا کہ ہر انسان کے پیٹ میں ایک سانپ ہوتا ہے، جب پیٹ خالی ہو اور بھوک لگی ہو تو وہ کاٹتا اور تکلیف پہنچاتا ہے۔ صفر کے متعلق یہ بھی خیال تھا کہ یہ ایک بیماری ہے جو پیٹ کو کاٹتی ہے۔ اس کے علاوہ کئی لوگ صفر کے مہینے سے بدفال لیتے تھے کہ اس میں بکثرت مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارے ہاں کلمہ گو لوگوں میں بے شمار توہمات اور بدشگونیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ درحقیقت جو قومیں دینِ فطرت یعنی اسلام سے اعراض کرتی ہیں وہ توہمات، بدشگونیوں اور نحوستوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ہر کام میں انہیں نحوست نظر آتی ہے۔ توہم پرست لوگ اس مہینے میں شادی نہیں کرتے۔ چنے ابال کر محلے میں تقسیم کرتے ہیں تا کہ ہماری بلائیں دوسروں کی طرف چلی جائیں۔ آٹے کی (365) گولیاں بنا کر تالابوں میں ڈالی جاتی ہیں تا کہ بلائیں ٹل جائیں۔ رزق کے لیے تین سو گیارہ مرتبہ روزانہ سورۃ مزمل پڑھنا، اس مہینے کو مردوں پر بھاری سمجھنا اور اس کی تیرہ تاریخ کو منحوس سمجھنا (جس کو تیرہ تیزی بھی کہا جاتا ہے)۔ کسی کام کے لیے گھر سے نکلیں اور کالی بلی دیکھ لیں تو واپس گھر آگئے کہ کالی بلی کا نظر آجانا اس بات کی علامت سمجھتے ہیں کہ میرا یہ کام نہیں ہوگا۔ کسی درخت پر الو بولتے سن لیا تو اعلان کر دیا کہ لوگوں میں قتل و غارت، برادری

---

[8] الانعام: 162 ۔

میں جھگڑا اور خاوند بیوی میں ناچاقی ہوگی۔ پرانا درخت دیکھا تو تصور باندھ لیا کہ یہاں جنوں کا بسیرا ہے۔ کوئی ٹیلہ دیکھا تو رنگ فق ہوگیا کہ یہاں بدروحیں رہتی ہیں۔ نئی دلہن کے گھر آتے ہی کوئی مصیبت آجائے تو اسے نحس قدم یعنی منحوس سمجھتے ہیں۔ بیوی کی چوڑیاں ٹوٹ جائیں تو اسے بھی زوجین کے حق میں بدشگونی سمجھا جاتا ہے۔ بے اولاد عورت کو ملنے سے گریز کیا جاتا ہے۔ فلاں آدمی صبح صبح نظر آگیا تو اس لیے کام خراب ہوگیا ہے۔ دکاندار کے صبح دکان کھولتے ہی کس نے ادھار مانگ لیا تو انکار کر دیتے ہیں کہ سارا دن ادھار ہی ہوگا۔ اسی طرح آنکھ پھڑکنے سے خوف زدہ ہو جانا، ہاتھ میں کھجلی ہونے سے امید لگا بیٹھنا کہ آج مال ملے گا۔ اگر جوتے پر جوتا آگیا تو سفر پیش آئے گا۔ رنگوں سے شگون لینا مثلاً سیاہ رنگ نہ پہننا کہ بیمار پڑ جائیں گے، سبز جوتا نہ پہننا کہ آپﷺکی قبر کے گنبد کا رنگ سبز ہے۔ اس طرح انسان نے خودساختہ طور پر کچھ چیزیں اپنے لیے نہ صرف حرام کر لیں بلکہ ان کے ساتھ قسمت بھی جوڑ دی۔

لیکن اسلام نے اپنے پیروکاروں پر یہ حقیقت واضح کی ہے کہ جیسے اعمال ہوں گے ویسے ہی نتائج نکلیں گے۔ نیک اعمال کے نیک نتائج اور برے اعمال کے برے نتائج برآمد ہوں گے۔ کوئی وقت، کوئی دن، کوئی لمحہ، کوئی مہینہ منحوس نہیں، ہماری بداعمالیاں ہمارے لیے ضرور منحوس ثابت ہوتی ہیں۔ یہ سب ایسے وسوسے اور توہمات ہیں جن کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ شیطان انسان کو شرک میں مبتلا کر کے اس کے اعمال ضائع کرواتا ہے۔ یہ توہمات اور بدشگونیاں انسان کو اندر سے کمزور کر دیتی ہیں۔ اس کے برعکس اللہ کی ذات پر پختہ ایمان اور توکل انسان کو جرأت، بہادری اور اعتماد دیتا ہے۔ اسے جینے کا ڈھنگ سکھاتا ہے۔ ہر مسلمان کو اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ نفع و نقصان کا مالک اکیلا اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا یہ اختیار کسی کے پاس نہیں، نہ کسی ولی کے پاس اور نہ کسی بزرگ کے پاس۔ نہ کسی پیرومرشد کے پاس اور نہ کسی نبی کے پاس۔ حتیٰ کہ سیدالانبیاء حضرت محمدﷺ جو تمام بنی آدم کے سردار اور سارے انبیاء و رسل علیہم السلام کے امام ہیں وہ کسی کے نفع و نقصان کے مالک تو کجا اپنے نفع نقصان کے مالک بھی نہ تھے-ارشاد ربانی ہے:

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (9)

’’ آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو میں بہت سے منافع حاصل

[9] ۔ الاعراف: 188

کر لیا کرتا اور کوئی مضرت ہی مجھ پر واقع نہ ہوتی۔ میں تو محض (عذاب سے) ڈرانے والا اور (احکام شرعیہ بتلا کرثواب کی) بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں‘‘۔

صفر وہ مہینہ ہے جس میں رسول اللہﷺ نے معمول کی عبادت کے علاوہ نہ کوئی خاص عبادت کی، نہ ہمیں اس کا حکم دیا اور نہ کسی خاص بلا سے بچنے کے لیے خبردار کیا۔ توہمات اور شگون جو اس ماہ سے منسوب کیے جاتے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں‌جب کہ نحوست کے بارے میں قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا (10)

’’اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار کر کے رکھا ہے اور (پھر) قیامت کے دن ہم اس کا نامہ اعمال اس کے واسطے نکال کر سامنے کر دیں گے جس کو وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا اپنا نامہ اعمال (خود) پڑھ لے آج تو خود اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے‘‘۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ انسان کی نحوست کا تعلق اس کے اپنے عمل سے ہے جب کہ انسان عموماً یہ سمجھتا ہے کہ نحوست کہیں باہر سے آئی ہے۔ چنانچہ وہ کبھی کسی انسان کو، کبھی کسی جانور کو، کبھی کسی عدد کو اور کبھی کسی مہینے کو منحوس قرار دینے لگتے ہیں۔ عربی میں نحوست کے لیے لفظ طیرہ استعمال ہوتا ہے جو طیّر سے نکلا ہے جس کے معنی پرندے کے ہیں۔ عرب چونکہ پرندے کے اڑنے سے فال لیتے تھے اس لیے طائر بدفالی کے لیے استعمال ہونے لگا۔ اسلام میں کوئی دن، جگہ یا انسان منحوس نہیں بلکہ وہ انسان کا اپنا طرز عمل، رویہ، اخلاق اور طریقہ ہوتا ہے جو اس کے لیے مختلف آزمائشوں کا سبب بن جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ (11)

’’اے انسان تجھ کو جو خوشحالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور جو کوئی بدحالی پیش آوے وہ تیرے ہی سبب سے ہے‘‘۔

سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (12)

---

[10] - بنی اسرائیل: 14- 13

[11] - النساء: 79

[12] - التوبہ: 51

’’آپ فرما دیجئے ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر فرمایا ہے وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ کے تو سب مسلمانوں کو اپنے سب کام سپرد کرنے چاہئیں‘‘۔

اہل کتاب بھی جب دین کی اصل تعلیمات سے دور ہو گئے تو اس طرح کے شگون لینے لگے جن کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیاہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا (13)

’’ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب ایک حصہ ملا ہے (پھر باوجود اس کے) وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں اور لوگ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بنسبت مسلمانوں کے زیادہ راہ راست پر ہیں‘‘۔

جبت بے حقیقت، بے اصل اور بے فائدہ چیز کو کہتے ہیں۔ چونکہ شگون کی بھی کوئی اصل بنیاد اور حقیقت نہیں ہوتی اس لیے اسلام میں ایسی تمام چیزیں جبت کے تحت آتی ہیں جیسے کہانت، فال گیری، شگون اور توہمات ان سے منع کیا گیا ہے۔ کسی چھوٹی سی تکلیف یا طبیعت کی خرابی پر دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانا اور لوگوں کے ساتھ باہمی تعلقات خراب ہونے پر اپنی غلطی اور کوتاہی کا جائزہ لینے کی بجائے یہ خیال کرنا کہ ضرور کسی نے جادو کر دیا ہے یا اس قسم کے دیگر توہمات رکھنا جو پیار و محبت کے رشتوں کو ختم کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کی توجہ اپنے عمل کی درستی اور اصلاح سے ہٹ جاتی ہے نتیجتاً انسان تنہا رہ جاتا ہے اور نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں پہلی قوموں کا تذکرہ کیا ہے وہاں کئی اقوام کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے انبیاء سے بدشگونی لیتے تھے اور جب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو وہ کہتے کہ یہ اسی نبی کی وجہ سے آئی ہے مثلاً موسیٰ ؑکی قوم کے بارے میں بتایا:

فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَى وَمَنْ مَعَهُ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ (14)

’’ سو جب ان پر خوشحالی آ جاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لیے ہونا ہی چاہئے اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ ؑ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے یاد رکھو کہ ان کی نحوست (کا سبب) اللہ کے علم میں ہے "

مومن کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ نقصان ہونے کی صورت میں کسی سے بدشگونی لے، یا کسی کو منحوس تصور کرے۔ بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ اسے نقصان ہونے سے پہلے بھی اس بات پر پختہ یقین ہو کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نقصان نہیں ہو سکتا اور نقصان ہو جانے کے بعد بھی وہ یہی کہے کہ یہ

---

[13] ۔ النساء: 51

[14] ۔ الاعراف: 131

اللہ کی طرف سے لکھا ہوا تھا اور یہ ہو کر رہنا تھا۔بعض لوگ ستاروں کے ذریعے فال نکالتے اور شگون لیتے ہیں۔ مثلاً کسی کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ تمہارا ستارہ فلاں ہے اور وہ آج کل گردش میں ہے، اس لیے تم جو کاروبار اب شروع کرو گے اس میں خسارہ ہوگا، اگر تم اب شادی کرو گے تو اس میں برکت نہیں ہوگی۔ حالانکہ کسی کی قسمت یا اس کے مستقبل کے امور کا ستاروں سے کوئی تعلق نہیں۔
اسی لیے آپ ﷺکا ارشاد ہے:

أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ، لَا يَتْرُكُونَهُنَّ: الْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالْاسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ (15)

’’جاہلیت کے کاموں میں سے چار کام میری امت میں ایسے ہونگے جنہیں وہ چھوڑنے پر تیار نہیں ہوں گے: حسب (قومیت) کی بنیاد پر فخر کرنا، کسی کے نسب میں طعنہ زنی کرنا، ستاروں کے ذریعے قسمت کے احوال معلوم کرنا (یا ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا) اور نوحہ کرنا‘‘۔
کاہن کے پاس جانے کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ، لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً (16)

’’جو شخص کسی کاہن یا نجومی کے پاس جائے اور اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کرے تو اس کی چالیس راتوں کی نماز قبول نہیں کی جاتی‘‘۔
بخاری میں ایک طویل حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی امت میں ستر ہزار ایسے لوگ ہیں جو بلاحساب جنت میں داخل ہوں گے۔ جب صحابہؓ نے یہ بات سنی تو بحث و مباحثہ شروع ہو گیا کہ وہ کون لوگ ہوں گے، اس کے جواب میں نبی ﷺ نے فرمایا:

هُمُ الَّذِينَ لاَ يَسْتَرْقُونَ، وَلاَ يَتَطَيَّرُونَ، وَلاَ يَكْتَوُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (17)

’’یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے ، فال نہیں دیکھتے (بدشگونی نہیں لیتے) اور داغ کر علاج نہیں کراتے بلکہ اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں‘‘۔

توہمات کا عالم تو یہ ہے کہ آج ترقی یافتہ دور میں لوگ جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کرتے ہوئے جدید طرز تعمیر کے مطابق گھر بناتے ہیں لیکن اس سب کے باوجود چھت کے اوپر ہانڈیاں ضرور لٹکائی جاتی ہیں۔ وہ نوجوان جوامریکی اور آکسفورڈ یونیورسٹیوں سے علم کی روشنی حاصل کر چکےہوتے ہیں لیکن ہاتھوں میں لوہے کے کڑے اور پیتل کے چھلے، بازوئوں پر چمڑے کے تعویذ باندھنے کو وہ

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب **التَّشْدِيدِ فِي النِّيَاحَةِ**، 2/644، رقم الحدیث: 934
۔ صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب تحریم الکھانۃ، 4/1751، رقم الحدیث: [16]2230
۔ صحیح بخاری، کتاب الطب، باب من اکتوی او کوی غیرہ، 5/453، رقم الحدیث: [17]5705

بھی ضروری تصور کرتے ہیں۔ نئی گاڑی یا رکشے کے پیچھے جوتا لٹکایا جاتا ہے اگر اس سے بلاٹلتی ہے تو چلانے والے کے گلے میں بھی جوتوں کا ہار ڈالنا چاہیے تا کہ اسے بھی نظر نہ لگے۔ کسی کو اگر چھینک آجائے تو جواب دینے کی بجائے کہنا شروع کرتے ہیں کہ کوئی یاد کر رہا ہے۔ کوا منڈیر پر بولے تو یہ وہم کیا جاتا ہے کہ کوئی مہمان آئے گا۔ بچہ پیدا ہو جائے تو لوہے کی کوئی چیز رکھ دیتے ہیں تاکہ بچہ ہر طرح کی مصیبت سے محفوظ ہو جائے ، اگر لوہا مصیبت سے بچا سکتا ہوتا تو لوہار کوئی نہ مرتا، اگر چمڑا تعویذ والا مصیبت ٹال سکتا ہے تو کوئی موچی نہ مرتا، اگر کوری ہنڈیا نظر بد سے بچا سکتی ہے تو کمہار ضرور نظر بد سے محفوظ ہوتے۔ الغرض ماہ صفر منحوس نہیں اور نہ ہی اس میں بلائیں اترتی ہیں بلکہ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔ سال کے بارہ مہینے اور **365** دن سب اللہ تعالیٰ کے تخلیق کردہ ہیں۔ ان میں کوئی بھی دن، گھڑی یا لمحہ منحوس نہیں۔

نحوست و بدشگونی والی باتیں خودساختہ ہیں اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہ ہے، ماہ صفر میں خاص ترتیب اور خاص مقدار میں تسبیحات پڑھنے اور نفل ادا کرنابے اصل اور بے سند ہے جس کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں۔بعض لوگ ماہِ صفر کے آخری چہارشنبہ (بدھ) کو شیرینی تقسیم کرتے ہیں، جنگل کو سیر کرنے جاتے ہیں، اس روز کو نحس و نا مبارک جان کر پرانے برتن گلی میں توڑ ڈالتے ہیں اور تعویذ و چھلہ چاندی مریضوں کو استعمال کراتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

الغرض اس بات کو کہنے میں کوئی عار نہیں کہ آج کل مسلمانوں کی اکثریت اہل جاہلیت کے طور اطوار اپنا چکی ہے۔ نہ صرف عقائد میں بلکہ عبادات میں بھی مسلمان بہت کمزوریوں کا شکار ہیں۔ نماز دین اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے۔ لیکن بدقسمتی سے آج کل مسلمان فرقہ واریت کا شکار ہو کر اس میں بھی اختلافات کا شکار ہو گئے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب نماز کی تعلیمات سے بالکل ہی نابلد ہو گئے تھے۔ بعینہ آج کل کے مسلمان بھی ایسی ہی صورتحال کا شکار ہیں۔ لوگوں کی اکثریت نماز سے دور رہتی ہے۔ دوسری طرف جو لوگ نماز ادا کرتے ہیں وہ بھی سستی کے ساتھ، جب کہ سستی کے ساتھ نماز ادا کرنا ایک منافق کی نشانی بتائی گئی ہے۔ ایک اور عنصر جو ہم مسلمانوں کے درمیان پایا جاتا ہے وہ دکھاوا ہے۔ہم خالص اللہ کے لیے عبادت نہیں کرتے۔ جبکہ دکھاوے کی نماز شرک ہے۔ حدیث میں ہے:

فَقَالَ شَدَّادٌ: فَإِنِّي قَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ (18)

---

[18] ۔ مسد احمد بن حنبل، مسند الشامیین، حدیث شداد بن اوس، 28، 364

'' حضرت شداد بن اوس ؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے : جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا اس نے شرک کیا جس نے دکھاوے کا صدقہ کیا اس نے شرک کیا''۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ فتنہ دجال سے بھی بڑا فتنہ دکھاوے کی نماز ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ، فَقَالَ: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِي مِنَ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ؟» قَالَ: قُلْنَا: بَلَى، فَقَالَ: «الشِّرْكُ الْخَفِيُّ، أَنْ يَقُومَ الرَّجُلُ يُصَلِّي، فَيُزَيِّنُ صَلَاتَهُ، لِمَا يَرَى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ» (19)

'' حضرت ابو سعید ؓ کہتے ہیں ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ''کیا میں تمہیں دجال کے فتنے سے زیادہ خطرناک بات سے آگاہ نہ کروں؟'' ہم نے عرض کیا '' ضرور یا رسول اللہ!'' آپ ﷺ نے فرمایا: شرک خفی دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک آدمی نماز کے لیے کھڑا ہو اور نماز کو اس لیے لمبا کرے کہ کوئی آدمی اسے دیکھ رہا ہے''۔

نماز کی اصل غرض و غایت خشوع وخضوع ہے لیکن بدقسمتی سے اس بات کی طرف دھیان دئیے بغیر مسلمان نماز کے طریقہ کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اس حوالے سے ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ عائد کرنا ایک معمولی سی بات بن کر رہ گئی ہے۔ گویا عبادت کا مقصد نمودونمائش ہے نہ کہ اللہ کی خوشنودی۔ نماز کے بعد ارکان اسلام کی ایک اور اہم عبادت روزہ ہے، جس کی خالصتاً غرض و غایت اللہ کی رضا ہے۔ کیونکہ یہ ایسی عبادت ہے جو کہ ظاہر نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی انسان دوسرے کو خود نہ بتائے۔ یہی وہ بنیادی چیز ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے روزہ کی حد درجہ فضیلت بیان کی ہے اور اسے خالص اپنے لیے قرار دیا ہے۔ گو کہ ہر کام کی جزا اللہ ہی دیتا ہے ، لیکن یہاں اس کی عظمت بیان کرنے کےلیے اللہ نے اس کو اپنے نام سے منسوب کیا ہے۔ یہاں انسان کا امتحان ہے کہ وہ کس قدر اللہ کی عبادت کرتا ہے یا دکھاوے کے لیے ہی اپنے روزے کا اعلان کرتا پھرتا ہے۔ اگر موجودہ حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو آج کل کے مسلمان ویسے ہی روزہ نہیں رکھتے۔ خاص طورپر موسم گرما کے روزے ان کے لیے بےحد گراں گزرتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ نے روزے کی غرض و غایت یہ رکھی ہے کہ اس سے ایک مسلمان میں تقویٰ و شکرگزاری کے جذبات پیدا ہوں۔بارہ ماہ میں ایک ماہ ایسا بھی گزرے کہ ایک مسلمان دن رات میں ایک وقت کھانا کھائے، ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے فاقہ زدہ و محتاج

[19] سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الریاء والسمعہ، 2،1406، رقم الحدیث: 4204۔

غریبوں کو کھانا کھلائے۔ ایک انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ساری زندگی ناز ونعم میں ہی نہ گزارے، بلکہ اپنے آپ کو مشقت کا عادی بنائے لہٰذا اس لیے بھی اللہ نے سال میں ایک ماہ ایسا رکھا ہے جو صحیح معنوں میں جسمانی ورزش کا ہے کہ انسان کا جسم بھوک پیاس برداشت کرنے کے قابل ہو جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے روزہ کو صبر کا نام دیا ہے۔ روزہ انسان کو بہت سے گناہوں سے روکتا ہے۔ انہی باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ روزہ صرف ظاہری بھوک پیاس کا نام نہیں ہے، بلکہ جسمانی و اخلاقی تربیت کا نام ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ بات عام مشاہدے میں آتی ہے کہ آج کل کے مسلمان روزہ رکھتے ہیں لیکن ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ گالم گلوچ، لڑائی جھگڑا سر عام رہتا ہے۔ حالانکہ نبی ﷺ نے فرمایا روزہ برائیوں سے روکنے کی ڈھال ہے تو جو روزہ رکھے تو اس کو چاہئے کہ لغو اور فحش باتیں نہ بکے اور نہ ہی غصہ کرے یہاں تک کہ اگر کوئی اس سے لڑنے کے لیے تیار ہو تو اسے کہے کہ میں روزے سے ہوں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عصر حاضر میں لوگ اول تو روزہ رکھتے ہی نہیں لیکن جو لوگ روزہ رکھتے ہیں وہ بھی ٹی وی جیسی بیماری کے سامنے بیٹھ کر سارا دن گزار دیتے ہیں، رمضان نیکیوں کا مہینہ ہے لیکن کوئی اس ماہ میں خاص نیکیاں کمانے کی تگ ودو نہیں کرتا۔ گویا ان کا دن صرف بھوک پیاس کو برداشت کرتے ہی گزر جاتا ہے۔ وہ روزہ کا کوئی مقصد حاصل نہیں کر پاتے۔ گویا ایک لاحاصل ٹریننگ میں وقت گزار دیتے ہیں۔ الغرض ہم دیکھتے ہیں کہ اس معاملے میں بہت حد تک ہمارا رویہ بھی اہل عرب کی طرح ہے کہ عبادت تو کی جاتی ہے لیکن گوہر مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اس طرح ارکان اسلام کی اگلی عبادت زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سےلگایا جا سکتا ہے کہ پیغمبرﷺ کی وفات کے بعد جن لوگوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا، خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ان کے خلاف جہاد کیا۔ اسلام کامقصد مسلمانوں میں ارفع واعلیٰ اقدار کی آبیاری کرنا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کا نظام قائم کر کے انسان کے دل سے مال کی محبت کم کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ زکوٰۃ بھی روزے کی طرح گناہوں کے کفارے اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ ایک مثالی معاشی نظام کی بنیاد ہے۔ لیکن عصر حاضر کے تناظر میں دیکھا جائے تو ابتدا میں لوگوں نے کلی طور پر اس کی مخالفت کی، جبکہ اس کے مقابلے میں ایک ایسا نظام بنایا گیا جس کی بنیاد اس فلسفہ پر تھی کہ ہر آدمی اپنی دولت کا مکمل مالک و خودمختار ہے۔ جو جہاں چاہے جیسے چاہے کی بنیاد پر خرچ کرے۔ اسے سرمایہ دارانہ نظام کا نام دیا گیا۔ اس نظام کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ ہوس زر کی بھینٹ چڑھے، پھر کچھ عرصے بعد اس کے بالکل الٹ ایک اور نظام متعارف کرایا گیا جسے اشتراکیت کا نام دیا گیا۔ اس کو مساوات و عدل کی بنیاد پر قائم کیا گیا۔ حکومت تمام وسائل کی مالک اور فرد ہر طرح کی نعمت سے محروم رہتا تھا۔ لہٰذا ایک عرصہ غلامی میں رہنے کے بعد یہ نظام بھی ختم ہوا اور وقت نے یہ بات ثابت کر دی کہ انسانوں کے لیے انسانوں کے بنائے ہوئے نظام اور قوانین کبھی

بھی راہِ نجات نہیں بن سکتے۔ اس کے برعکس اللہ کے قائم کردہ نظام کی بنیاد ہی اس نظریہ پر قائم ہے کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کا مالک اللہ ہی ہے۔ دولت اور وسائل دولت کا مالک اللہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے تمام راستوں پر دولت خرچ کرنے سے سختی سے منع فرما دیا جس سے انسان کا اخلاق تباہ ہوتا ہو۔ لیکن بدقسمتی سے آج کل کا مسلمان زکوٰۃادا کرنے سے گھبراتا ہے۔ وہ اسے اپنے اوپر ایک ٹیکس گردانتا ہے۔ وہ اپنا پیسہ بنکوں میں محفوظ رکھنا زیادہ پسند کرتا ہے۔ یہ جانے بغیر کے بنک سودی نظام پر قائم ہیں۔ اسلام میں زکوٰۃ کے نظام میں ایک اہم پہلو اجتماعیت کا ہے جس میں بیت المال کاتصور دیا گیا ہے۔ گو کہ اس وقت ہمارے معاشرے میں ایک اسلامی ریاست قائم نہیں لیکن پھر بھی لوگ اجتماعیت کے اس پہلو سے پہلوتہی کرتے نظر آتے ہیں۔ جونہی رمضان کا آغاز ہوتا ہے، عوام الناس بنکوں سے اپنا روپیہ نکلوا لیتی ہے تاکہ زکوٰۃ کی مد سے کٹوتی نہ ہو سکے۔ پھر یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ وہ ذاتی طور پر بھی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ اس ضمن میں ایک اور پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ لوگ اگر زکوٰۃ و خیرات دیں تو اس میں ریاکاری کا عنصر واضح ہوتا ہے۔غرباء کو دیتے ہوئے تصاویر بنوائی جاتی ہیں۔ یعنی خالص اللہ کے لیے عبادت نہیں کی جاتی۔ اسی طرح ہمارا حکومتی زکوٰۃ کا نظام بھی منظم نہیں۔ جتنا پیسہ اشتہارات کی مد میں لگایا جاتا ہے اتنا پیسہ عوام کو نہیں دیا جاتا۔ زکوٰۃ دینے کا طریقہ کار ہی بہت مشکل بنا دیا ہےکہ عام عوام تک اس کی رسائی ہی مشکل ہے۔ عزت و وقار کے ساتھ دینے کی بجائے لوگوں کو فقیر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ گو کہ مخیر حضرات کی کمی نہیں، بہت سے لوگ بے بہا اللہ کی راہ میں خرچ کرتے نظر آتے ہیں، لیکن اگر یہی کام حکومتی سطح پر کیا جائے تو نہ صرف غربت کا خاتمہ ہو گا بلکہ عوام الناس کی عزت نفس بھی بحال رہے گی۔ معاشرہ نہ صرف خوشحالی کی طرف جائے گا بلکہ ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ کوئی زکوٰۃ لینے والا ہی نہ ہو۔زکوٰۃ کے بعد ارکان اسلام کا آخری رکن حج ہےیہ ایک مالی و بدنی عبادت ہے۔ جس کی غرض و غایت اللہ کی یاد کے سوا کچھ نہیں۔ خانہ کعبہ اہل توحید کا مرکز ہے۔ یہ ملت ابراہیمی کے متحد ہونے کی علامت ہے۔ اللہ کا گھر امن کی علامت ہے۔ حج کا مقصد ہی ایک انسان کے دل سے ''میں'' نکال دیناہے۔مساوات اسلام کا سنگ بنیاد ہے، گو کہ نماز بھی مساوات کے نظریہ کو قائم کرتی ہے لیکن حج پوری وسعت کے ساتھ اس نظریہ کی ترویج کرتاہے۔ میدان عرفات میں اکٹھا کرنے کا مقصد ہی آخرت کی یاد دہانی کرانا مقصود ہے کہ کائنات عارضی ہے سب نے اللہ کے ہاں اکٹھے ہونا ہے۔لیکن اگر عصر حاضر کے تناظر میں دیکھا جائے تو حج کے تمام اراکین بالکل ویسے ہی ادا ہو رہے ہیں جیسا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے سکھائے۔ لیکن بدقسمتی سے یہاں بھی ریاکاری کا پہلو بہت حد تک نمایاں ہو گیا ہے۔ دورحاضر میں موبائل جیسی خرافات نے خالص اللہ کے لیے عبادت کے پہلو کو ختم کر دیا ہے۔ لوگ ہمہ وقت اپنی تصاویر و ویڈیو بنانے میں

مصروف رہتے ہیں۔ پھر وطن واپسی پر اپنے نام کے ساتھ حاجی کا سابقہ لگا لیتے ہیں، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کے نفس میں، ''میں'' موجود ہے۔ درج بالا تمام گفتگو اس بات کی نشاندہی کرتی نظر آتی ہے کہ ہر عبادت میں ریاکاری کا عنصر بہت بڑھ گیا ہے، اور یہ وہ پہلو ہے جس میں اہل عرب کے ساتھ مماثلت نظر آتی ہے کہ ان کی عبادات بھی خالص اللہ کے لیے نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ انہوں نے اس کے لیے بت بنا رکھے تھے۔ اس کے برعکس آج کل کے مسلمانوں نے اپنے نفوس کو ہی بت بنا لیا ہوا ہے جس کی وہ پوجا کرتے نظر آتے ہیں۔ دیگر الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ انسان خواہشات نفس کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔